اقبال بڑا اپدیشک ہے۔۔۔من باتوں میں موہ لیتا ہے

میں آپ کو شاعرِ مشرق اور مصور پاکستان سے ملوانے نہیں لے جا رہا۔ ہاں مؤرخ ہوں، اس لیے وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے اقبال میں وہ شخص تلاش کر کے آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں جو اپنے دَور کے ہر رنگ میں مستقل مزاج رہا۔ اگر غالب کے الفاظ کا سہارا لوں تو:

اقبال ایک شمع ہے۔۔۔ جو ہر رنگ میں جلتا رہا۔۔۔ سحر ہونے تک

گو کہ اقبال ایک عظیم شاعر تھا، لیکن میری رائے میں اس کی خواہش نہیں تھی کہ وہ شاعر بنے یا شاعری کرے۔ شاعری تو اس کی مجبوری تھی (۔)؛ اسے جو خیال آتے تھے وہ منظوم اور قافیہ بند ہوتے تھے۔ شاید آپ تلاش کریں تو اقبال کے اردو کلام میں کوئی بھرتی کا شعر تلاش کر لیں، مجھے تو نہیں ملا۔ حالانکہ غالب کے مختصر دیوان میں بھی کچھ اشعار، بلکہ غزلوں پر مجھ جیسے نالائق کو بھی انگلی اٹھانا ممکن لگتا ہے۔ اقبال کے خیال بالعموم لڑیوں کی شکل ہی میں ہوتے تھے، حتیٰ کہ ان کی کئی غزلیں بھی یک کیفیتی ہیں اور ایک دلیلِ مسلسل کی شکل میں ملتی ہیں۔

بانگِ درا کی اشاعت کے وقت، یعنی 1924 میں اقبال کے کلام کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا: 1905 سے پہلے کی شاعری؛ 1905 تا 1908 کی شاعری اور پھر اس کے بعد سنِ اشاعت تک کا کلام۔ پہلے دَور کو ہندوستانی قومیت کی علم برداری سے منسوب کیا گیا، دوسرے کو عبوری دور قرار دیا گیا اور تیسرے کو ملتِ اسلام کی عصبیت کا دور گردانا جاتا ہے۔ میرے ایک عزیز نے سوال اٹھایا کہ 'پھر وہ مصور پاکستان کیا صرف نثری اقبال تھا؟' اس سوال کا ابتدائی جواب تو میں نے یہ کہہ کر دے دیا کہ بانگِ درا کی اشاعت اور اقبال کی موت کے درمیان تیرہ سال ہیں جن کے دوران اُن کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ لیکن میرے لیے اس کے تفصیلی جواب کی تلاش کا مرحلہ یہاں سے شروع ہو گیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اقبال کی 'کلیاتِ اردو' کی جگالی کرتے کئی سال گزر چکے تھے لیکن کبھی اس سوال کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ خیر! اگر، اس جسارت کی شکایت کریں تو مجھ سے کریں، لیکن اگر اسے کارنامہ قرار دیں تو میرے بھائی، اصغر صاحب کا احسان مانیں۔

یوں مجھے اقبال کے تین نہیں بلکہ پانچ ادوار ملے۔ پہلا وہی جو متحدہ ہندوستان، جس میں اس کا خواب تھا کہ مسلمان اور ہندو مل کر ایک مملکت میں مشترک و مخلوط معاشرہ بنائیں مگر انگریز سامراج کا اقتدار ختم ہو جائے۔ اس دَور کا اختتام 1905 اور 1908 کے درمیان ہوا، جب اقبال ہندوستان سے نکلے اور انگریز کے ملک سے ہوتے ہوئے، جرمنی اور ترکی کے راستے وطن واپس آئے۔ اسی عرصہ میں دوسرا دور شروع ہوا، جس میں جرمن نسلوں [انگلستان، فرانس، جرمنی، امریکہ، اوسٹریلیا، کینیڈا وغیرہ] کی تہذیب کے کئی پہلو، جو انہیں انگریز کی حکومت والے ہندوستان میں درست اور بہتر لگتے تھے، ان کے دل سے اتر گئے۔ اس دوسرے دور میں، جسے میں ہندوستان چھوڑنے کے بعد کسی وقت کے بعد اور 1908 سے پہلے شروع ہوتا دیکھتا ہوں، انہوں نے مغربی معاشروں، بالخصوص انگریز سامراج کی تنقید کا دفتر کھولا، جو ان کی ساری زندگی ساتھ چلا۔ لیکن میں ان کے اس دور کو عدوری ہی مانتا ہوں جس میں ان کی وطن کی محبت کی مرکزیت ختم ہو رہی تھی اور ملت کے ساتھ عصبیت کا درجہ ابھر رہا تھا۔ اس عبوری دور کا اختتام ۱۹۰۸ کے بعد لیکن ۱۹۲۴ سے کافی پہلے ہو چکا تھا۔ تیسرا دور مسلم عصبیت کا دور [جو انگریزی میں Pan-Islamic کہلاتا ہے] کب شروع ہوا؟ اس کا جواب بانگِ درا کے کلام سے ملتا ہے۔ ہم جب اس پر تبصرہ کریں گے تو ان تینوں رجحانات، یعنی ہندوستانی وطنیت کا حال، مغربی تہذیب کی تنقید اور مسلم عصبیت، کی ادھیڑ بن نظر آئے گی۔

یہاں ہم ایک اور سوال کو شاملِ تفتیش کر لیں، یعنی یہ کہ اقبال کے اندر کا مسلمان کب جاگا اور اس کا تشخص کیا تھا؟ کیا وہ روزِ اول سے صوفی تھا، یا پہلے وہ مغرب زدہ انسان تھا جس کی وطنیت کو ہندوستانی رغبت سے اسلامی ملّی جذبہ میں ڈھالا لیکن مسلمانوں میں یکجہتی کی کمی نے ہندوستانی مسلمان کی وکالت کرنے پر مجبور کر دیا؟ بظاہر یہ پیچیدہ سوال ہیں۔ انہی سوالوں کے مختلف جوابوں کی وجہ سے ہی اقبال کے خیالات کی تشریح کرنے والوں کے مکاتیبِ فکر بھی مختلف ہیں۔ میری رائے میں یہ سوال مشکل نہیں ہیں بلکہ انہیں اس فکری نظام نے مشکل بنا دیا ہے جس کے مطابق ہر شخص کی سوچ کی بنیاد اس کی عمر اور ماحول کے مطابق تبدیل نہیں ہونی چاہیے۔ درحقیقت، اس فکری نظام کے حامی بھی جانتے ہیں کہ عملی طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسانوں کی فکر میں بنیادی تبدیلیاں آتی بھی ہیں۔ البتہ جب ایسی تبدیلی آتی ہے تو نئی فکر میں کوئی عناصر پرانی فکری بنیادوں کے رہ جاتے ہیں جو اس فرد کی انفرادیت کی شکل میں نظر آتے ہیں۔

میری رائے میں اقبال کی شاعری کا پہلا نمونہ، ہمالہ، یہ اعلان کرتا ہے کہ اقبال کا شعور اور محاورہ برِصغیر کے مسلمان کا ہے۔ ایک ایسا شخص جو، یہ جانتے ہوئے کہ اس کی شناخت انگریز کی حکومت کے ہندوستان میں رہنے والے مسلمان کی ہے، اس ریاست کے ہندو کے ساتھ ان شرائط پر رہنے کو اس سماجی تفریق کے مطابق رہنے کو تیار ہے جس کے مطابق کئی صدیوں کا ساتھ نبھایا گیا ہے۔ لیکن اسے اس سماجی تقسیم کا طریقہ نہ قابلِ قبول ہے جو سامراجی حکومت کے تحت ابھر کر آیا ہے۔ یاد رہے کہ اقبال پنجاب کا مسلمان ہے نہ کہ بھارت یا دکن یا بنگال کا۔ ان علاقوں میں داخل ہونے والی سامراجی طاقتوں کے مزاج کو جس انداز سے 1857 کے واقعات نے متاثر کیا، اس کے نتیجہ میں انگریز کی حکومت کا نظام ان علاقوں میں بدل گیا جنہیں اس نے حال میں [1840 کی دہائی میں] فتح کیا تھا۔

اسی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے علاقے میں پرورش پانے والے مسلمانوں کی زندگیوں میں کبھی بھی وہ مسائل پیدا نہیں ہوئے تھے جو بھارت میں نظر آتے ہیں۔ میرے نظریات میں ان معاملات کی اہمیت کا تذکرہ تحقیقی مضامین کی شکل میں اسی website پر موجود ہے۔ بہر حال، اقبال کے مسلمان مزاج کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ وقت کے ساتھ اقبال کے شعور میں تبدیلیاں آتی رہیں لیکن اس کے تشخص میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئی۔ البتہ، اس کا دردمند دل ہمیشہ برِصغیر کے مسلمان سماج کی فلاح کی تلاش میں رہا۔

یہاں، بدلتے زمانے کے ساتھ، اس فلاح کے لیے اقدامات کی تشخص کی تبدیلیاں ہمیں اس غلط فہمی میں ڈال دیتی ہیں کہ اقبال کا تشخص بھی بدلتا رہا۔ ایک طرف اسلام کی اساس کے شعور میں ارتقا، اور دوسری طرف مسلمانانِ ہند کی فلاح کے لیے بدلتی تشخیص وہ دو عناصر ہیں جنہوں نے اقبال کے اشعار کی شکل اختیار کی ہے۔ ہر انسان کی طرح اقبال کے جذبات، احساسات اور خیالات میں اتار چڑھاؤ تھا؛ ایسے ہی، ہر شاعر کی طرح، اقبال کے اشعار اور افکار کا مد و جزر، ان کی کیفیتوں کی عکاسی کرتا ہے۔ ہاں جیسے اقبال مسلمانوں کی فلاح اور اخلاقیات پر غور کیے بغیر نہیں رہ سکتے، ویسے ہی وہ نا امیدی کی کیفیت میں زیادہ دیر نہیں رہ سکتے، نہ ہی ان کے لیے ممکن ہے کہ فکر کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے۔

میری کوشش یہ ہے کہ ورق ورق کر کے اقبال کے اردو کلام کے تذکرہ سے آپ کے سامنے اس بدلتے، لیکن مستقل مزاج شخص کی زندگی کا خاکہ آپ کے سامنے پیش کروں جس کا عمل سوچنا تھا، جس کا طریق اخلاص اور امید، اور نیکی تھا، اور جس کی زبان کافیہ کی قید اور وزن کے جبر میں تھی۔ اسی سفر میں وہ ہندوستان سے چل کر پاکستان تک سامراج اور مغربی تہذیب کی ترمیم کرتا ہوا مسلمانوں کو لانے میں لگا رہا۔

اقبال سیالکوٹی، جسے پہلے دانشوروں کے ایک گروہ نے علامہ مانا اور پھر انگریز سامراج نے اس رائے کی 1923 میں تصدیق کر کے علامہ اور سر کے خطابوں سے نوازا، ایران میں اقبال لاہوری کہلاتا ہے۔ یقیناً اقبال علامہ بھی تھے اور سیالکوٹی و لاہوری بھی، مگر جب وہ مشہور نہیں ہوئے تھے اور صرف اقبال تھے، تب بھی وہ ایک دردمند دل، ذہین دماغ، اور نیک روح کے مالک تھے۔ جن لوگوں نے اقبال کو صرف حکیم الامت کی حیثیت سے دیکھا ہے، بغلیں جھانکنے لگتے ہیں اور یا ان باتوں کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں یا شرمندہ ہو جاتے ہیں جب عطیہ فیضی یا جرمنی کی اس خاتون کا ذکر آتا ہے جو ان سے خط و کتابت کرتی رہی لیکن علامہ ہونے کے لیے لازم تو نہیں کہ خواتین سے رغبت نہ ہو۔ اقبال ایک کامیاب وکیل، ایک محفل آرا شخص، ایک استاد، فلسفی، شاعر اور ادیب تھے، جو مولانا روم کو مرشد، ان کی ترجمانی و تشریح کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی کو مانتے تھے، اور آرنلڈ کو محبوب استاد و رہنما بھی تسلیم کرتے تھے۔ ایمرسن کی طرح کے انگریز، گوئٹے کی طرح کے جرمن، سعدی کی طرح کے ایرانی مفکروں کی سوچ کی عکاسی بھی کر سکتے تھے اور چار شادیوں کے باوجود خواتین کے ساتھ دوستی بھی نبھانا بھی اقبال کے لیے ممکن تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح وہ مسلم لیگ کی سیاست اور انجمن حمایتِ اسلام کے سرگرم رکن بھی تھے۔ میرے خیال میں اہم بات یہ نہیں کہ اقبال کی شخصیت کے کتنے پہلو تھے، بلکہ یہ کہ وہ ان کی ذات میں کیسے ہم آہنگ تھے۔

آپ کے ساتھ میرا مکالمہ اقبال کے فلسفہ خودی کے حوالے سے نہیں ہوگا، نہ میں اسرارِ خودی یا رموزِ بیخودی کی بات کروں گا، نہ ہی اقبال کے فارسی کلام کی بات کر سکوں گا، جو 12000 اشعار پر مشتمل ان کے کل کلام کا بڑا حصہ ہے کا ذکر ہوگا۔ نہ میں Reconstruction of Religious Thought in Islam کے بارے میں کچھ خاص کہوں گا، سوائے اس کے جو برسبیلِ تذکرہ آ جائے۔ اس کی ایک وجہ تو میری کم علمی ہے اور دوسری یہ کہ ان معاملات پر اقبال شناسوں کی ایک معتبر جماعت تفصیلی بحث کر چکی ہے۔ میں نے اس سلسلہ کلام میں اپنے لیے ایک سادہ سا ہدف رکھا ہے۔ میں نے اقبال کی اردو کلیات [تقریباً 15000 اشعار] کو سامنے رکھ کر اشاعت کی ترتیب کے مطابق اس کلام پر تبصرہ کر کے اقبال کی شخصیت کے ارتقا اور اس کے نہ تبدیل ہونے والے پہلو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ البتہ میرے لیے یہ کہے بغیر آگے چلنا ناممکن ہے کہ اقبال کے ان ہزاروں اشعار میں حسن و عشق کے بیان کے لیے انہیں کوئی محبوبہ نہیں ملی۔ اپنے بے پناہ جذبات کی شدت کو انہوں نے وطن، قوم، ملت، انسانیت، فطرت، اور نظریات کے لیے ہی وقف کیے رکھا۔ شاید شاعری کی یہ جہت اردو زبان میں اقبال ہی کے وصیلہ سے آئی۔ آیئے اس صاحبِ طرز اور منفرد مزاج شخص سے ملیں، جو اپنی سوچیں، فلسفیانہ خیالات، سیاسی نظریات، مذہبی رجحانات اور عصبیت کو بیان کرنے لگتا تو خود بہ خود اشعار اس کے قلم سے نکل آتے۔